قرآن اور عقیدہ رائے کی آزادی

ثاقب اکبر*

دین و مذہب کا نام آتا ہے تو عام طور پر پابندیوں کا خیال آتا ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ دین آزادی کا پیام بر نہیں پابندیوں کا نقیب ہے۔ عقائد و نظریات اہل مذہب کی طرف سے ڈکٹیٹ کیے جاتے ہیں۔ اہل مذہب نظریات و افکار میں انسانی اختیار و ارادہ کے آزادانہ استعمال کو روا نہیں جانتے۔ بہت سے مذہبی معاشروں میں جس طرح کی آویزش پائی جاتی ہے اور چھوٹے چھوٹے مذہبی مسائل پر جس طرح سے فسادات پھوٹ پڑتے ہیں حتیٰ کہ قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا ہے، اسے بہت سے افراد مذہب کی تنگ نظری اور شدت پسندی کے لیے دلیل بنا لیتے ہیں۔ کسی مذہبی نظریے پر دوسرے کے قتل کو روا جاننا اور مخالف نظریہ رکھنے والے کے لیے فتوے صادر کرنا مذہبی فکر میں آزادی کے نہ ہونے کی ہی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ مغرب میں کلیسا کے دَور اقتدار کو جبر و استبداد کا دور اسی لیے قرار دیا جاتا ہے کہ اس میں کسی کو فکر اور رائے کی آزادی نہ تھی، یہاں تک کہ مظاہر فطرت و قدرت کے بارے میں آزادانہ رائے رکھنے کی آزادی نہ تھی۔ ایک دین کے ماننے والوں نے صرف دوسرے دین کے ماننے والوں کے خلاف خوں ریز جنگیں بر پا نہیں کیں بلکہ ایک ہی دین کے ماننے والوں نے آپس میں مختلف مسالک کا اتنا خون بہایا ہے کہ الامان۔ یہ پرانی تاریخ کا ہی قصۂ غمناک نہیں عصر حاضر میں بھی دین و مذہب کے نام پر کشت و خون کا بازار اسی طرح گرم ہے۔

اس پس منظر کے ہوتے ہوئے ہم اس سوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ عقیدہ و رائے کی آزادی کے حوالے سے قرآن کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ ہم اس بات کو آغاز ہی میں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ کسی بھی دین و مذہب کے ماننے والوں کے ہر فکر و عمل کو ان کے دین و مذہب کے کھاتے میں نہیں ڈال دینا چاہیے۔ فکر و عمل کا تعلق فرد یا افراد سے ہے۔ دین و مذہب کو اس کے اصل مصادر و مراجع سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کا سب سے پہلا، بنیادی اور اہم ترین مصدر قرآن ہے۔ قرآن حکیم کے بارے میں مسلمانوں کا مجموعی عقیدہ یہ ہے کہ اس کا متن پوری طرح محفوظ ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوئی۔

علاوہ ازیں یہ دیگر مصادر کے لیے ''حکم'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ دوسری بات کسی حد تک قابل بحث ہے۔ تاہم ہمارا نظریہ یہی ہے کہ ہر دوسری بات کو پرکھنے اور اس کے صحیح یا غلط ہونے کو جانچنے کے لیے قرآن معیار اور کسوٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے ہم عقیدہ و رائے کی آزادی کے حوالے سے قرآن کا نقطۂ نظر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر سنت اور حدیث کو اس کی طرف پلٹایا جائے گا اور ہر فتویٰ کو قرآن کے پیش نظر ہی جانچا جائے گا۔

چند بنیادی آیات

عقیدے کی آزادی کے حوالے سے عام طور پر یہ دو آیات پیش کی جاتی ہیں:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (1)

یعنی: ''دین میں اِکراہ نہیں ہے۔''

*۔ صدر نشین، البصیرہ، اسلام آباد

یعنی دین میں جبر اور زبردستی نہیں ہے۔ گویا دین نہ جبر سے قبول کیا جانا چاہیے نہ دوسروں پر زبردستی ٹھونسنا چاہیے۔ ہر کسی کو آزاد ہونا چاہیے کہ وہ کوئی بھی دین یا عقیدہ اختیار کر لے۔
دوسری آیت سورۂ کافرون کی ہے:
لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (2)
یعنی: ''تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔''
اس آیت مجیدہ کا لفظی ترجمہ تو یہ بنتا ہے: '' ایک دین تمہارا ہے اور ایک دین میرا ہے۔'' یعنی تم اپنا دین رکھو میں اپنا۔ اس سورہ کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام کو نہ ماننے والے ایک گروہ نے ''کچھ لو کچھ دو'' کی بنیاد پر پیغمبر اسلامؐ کو اسلام قبول کرنے کی پیش کش کی، وہ بعض بتوں کی پوجا کی اجازت مانگتے تھے یا بعض بتوں کو باقی رکھنا چاہتے تھے۔ اس پر یہ سورہ نازل ہوئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ دین اور عقیدے کے معاملے میں کچھ لو اور کچھ دو نہیں ہو سکتا۔ ہر آدمی آزاد ہے کہ غور و فکر کر کے ایک نظریہ یا عقیدہ اختیار کرے۔

انسان کا طرۂ امتیاز ہی آزادی ہے

ہماری رائے یہ ہے کہ قرآن حکیم میں ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جو بالواسطہ یہ بلا واسطہ عقیدے اور رائے کی آزادی کے نظریے پر دلالت کرتی ہیں۔ بلا واسطہ اس نظریے کو بیان کرنے والی ایک اور آیت ملاحظہ کیجیے:
اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (3)
یعنی: ''یقیناً ہم نے انسان کو راستے کی راہنمائی کر دی ہے، اب چاہے وہ شکر گزار ہو جائے اور چاہے ناشکرا بن جائے۔''
یہ آیت تخلیق انسانی کے مراحل بیان کرتے ہوئے آئی ہے۔ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ایک دور تھا، جب یہ انسان نہیں تھا۔ پھر نطفے کی صورت میں اس کے سفرِ تخلیق کا آغاز ہوا۔ پھر رفتہ رفتہ وہ پورا انسان بن گیا جس کے پاس سننے اور دیکھنے کی صلاحیت موجود تھی۔ یہ صلاحیتیں اس کے لیے امتحان اور آزمائش کا ذریعہ بن گئیں۔ اللہ نے انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں رکھیں کہ وہ حق و باطل، درستی و نادرستی کو پہچان سکتا تھا۔ فطرت و عقل کے خزانے صحیح راستے کی راہنمائی کے لیے ہی ہیں۔ اب اس انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی سے سرفراز کیا گیا۔ اس آزادی کو بروئے کار لا کر اور اپنی صلاحیتوں کا مثبت استعمال کر کے اب چاہے تو شکر گزار ہو جائے اور عقل و فطرت کے خلاف راستہ اختیار کر کے اور اپنی صلاحیتوں کا منفی استعمال کر کے چاہے تو ناشکرا ہو جائے۔
قرآن حکیم کے تصور کے مطابق عقل انسان کا مابہ الامتیاز ہے۔ انسان کو فاعلِ مختار بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جنت اور جہنم کا تصور اسی اختیار اور آزادی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جنت اس آزادی کے مثبت استعمال ہی کا نتیجہ ہے اور جہنم اس آزادی کے منفی استعمال ہی کا انجام ہے۔ آزاد ارادے کے بغیر اسلام لانا اسلام نہیں اور اظہار کفر، کفر نہیں۔ جبر و اکراہ تو اس تصور دین کے خمیر سے ہی سازگار نہیں۔

انبیاء آزادیٔ فکر کے علمبردار تھے

انبیائے الٰہی کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر آزادیٔ فکر ہی کے علمبردار تھے۔ وہ دوسروں کو بھی اس آزادی سے سرفراز کرنا چاہتے تھے اور اپنے لیے بھی اس آزادی کے طالب تھے۔ قرآن حکیم اس امر کی بہت سی شہادتیں پیش کرتا ہے کہ انبیاء کے مخالفین جبر و اکراہ سے کام لیتے تھے۔ وہ مخالف نظریہ اختیار کرنے پر انبیاء اور ان کے ساتھیوں پر ظلم و تشدد کرتے تھے، انھیں دھمکیاں دیتے تھے، جلا وطن کرتے تھے یہاں تک کہ قتل و غارت سے بھی باز نہ آتے تھے۔ آیئے چند ایک آیات ملاحظہ کرتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں ہے:

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (4)

یعنی: "کہنے لگے: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمھیں سنگسار کر دیا جائے گا۔"

اس آیت کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ قوم کے وڈیروں کو حضرت نوحؑ پر ایک اہم اعتراض یہ تھا کہ اُن پر ایمان لانے والے اور اُن کے ساتھی معاشرے کے پس ماندہ اور پچھڑے ہوئے محروم لوگ تھے جنھیں وہ الْاَرْذَلُوْنَ (5) کہتے تھے، یعنی نہایت گھٹیا اور پست۔ ان وڈیروں کا کہنا تھا کہ انھیں اپنے پاس سے ہٹاؤ پھر ہم تمھارے پاس آئیں گے۔ انسانیت کی یہ تذلیل اور ایسی طبقہ بندی حضرت نوحؑ کو قبول نہ تھی۔ للٰذا انھوں نے ایسا مطالبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا جس پر انھیں دھمکی دی گئی کہ تمھیں سنگسار کر دیا جائے گا۔

حضرت ابراہیمؑ کو بھی ان کے چچا آزر نے سنگسار کرنے کی دھمکی دی۔ قرآن حکیم نے اُس کی دھمکی نقل کی ہے:

لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ (6)

یعنی: "اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تمھیں سنگسار کر دوں گا۔

حضرت شعیبؑ کی قوم نے بھی اُن سے کہا:

وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ (7)

یعنی: "اگر تیرا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم ضرور تجھے سنگسار کر دیتے کیونکہ تیری ہمارے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔"

انھوں نے سنگسار تو نہ کیا لیکن جلاوطن کرنے کا اعلان کر دیا۔ سورہ اعراف میں ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ (8)

یعنی: "ان کی قوم کے وڈیرے جو تکبر میں مبتلا تھے کہنے لگے: اے شعیب! ہم تجھے اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا پھر تم ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ۔ شعیب کہنے لگے: کیا چاہے ہم اسے ناپسند کرتے ہوں؟"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقیدے کے اختلاف کی بنا پر اس قوم کے بڑے حضرت شعیبؑ اور اُن کے ماننے والوں کو بستی سے نکال دینے پر تُل گئے۔ اس کام سے رُکنے کے لیے ان کی ایک ہی شرط تھی کہ ہماری ملت اور مذہب میں تم واپس آجاؤ۔ حضرت شعیب کا جواب بہت زبردست اور چشم کشا تھا۔ وہ کہنے لگے: کیا چاہے ہم تمھارے دین کو پسند نہ کرتے ہوں؟ گویا وہ اپنے لیے عقیدے اور دین کی آزادی کا حق مانگ رہے تھے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا تم زبردستی کروگے؟ کیا ہماری رائے اور نظریے کو زبردستی تبدیل کروگے؟

اس سے بعد والی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شعیب کا دعویٰ تھا کہ انھوں نے جو عقیدہ اختیار کیا ہے وہ علیٰ وجہ البصیرت ہے، وہ دلیل و منطق کی بنیاد پر ہے اس لیے وہ اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔ گویا وہ اپنی آزادی کا کسی قیمت پر سودا کرنے کو تیار نہ تھے۔

جب اس قوم کے وڈیروں نے حضرت شعیبؑ کا مضبوط موقف سنا تو اُن کے پیروکاروں کو خوفزدہ کرنے کے لیے وہ کہنے لگے:

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ (9)

یعنی: "ان کی قوم کے بڑے آدمی جو نہ مانتے تھے کہنے لگے: اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو یقیناً تم گھاٹا اٹھانے والے ہوگے۔"

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء ہمیشہ عقیدے اور رائے کی آزادی کے علم بردار رہے ہیں اور اُن کے مخالفین جبر و اکراہ کا سہارا لیتے رہے ہیں۔ ظلم و تشدد ہمیشہ انبیاء کے مخالفین کا طرزِ عمل رہا ہے۔

دیگر ادیان کے ماننے والوں کو مل جل کر رہنے کی دعوت

قرآن حکیم نہ فقط عقیدے اور فکر کی آزادی کا پرچم بردار ہے بلکہ وہ اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ مشترک بنیادوں پر دوسروں کو مل جل کر رہنے کی دعوت دیں۔ اہل کتاب کو دعوت دینے کے لیے اُس کا کہنا ہے:

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (10)

یعنی: ”کہیے: اے اہل کتاب! آؤ اس ایک بات پر اکٹھے ہو جائیں جو تمہارے اور ہمارے درمیان مساوی اور مشترک ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اُس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو مالک و مختار نہ سمجھ لیں۔“

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول اکرمؐ نے مدینہ ہجرت کے بعد وہاں کے غیر مسلموں سے پرامن بقائے باہمی کا جو معاہدہ کیا تھا اور جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں، اس میں اہل کتاب کے علاوہ اوس و خزرج کے وہ بت پرست بھی شریک تھے جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے۔ (11)

اہل کتاب کے مصداق اس زمانے میں یہودی اور مسیحی سمجھے جاتے تھے۔ بعد ازاں دیگر ممالک تک مسلمان پہنچے تو اس اصطلاح نے وسعت اختیار کر لی۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اہل کتاب حضرت محمد ﷺ کے نبوت کے دعویٰ کو برحق نہیں جانتے، قرآن حکیم کو سچی آسمانی کتاب نہیں مانتے اور خانہ کعبہ کو قبلہ نہیں سمجھتے۔ اس کے باوجود قرآن حکیم نبی کریمؐ سے کہتا ہے کہ انھیں مشترک بنیاد پر مل جل کر رہنے کی دعوت دیں یعنی؛ قرآن ان کے لیے عقیدے کی آزادی کا حق تسلیم کرتا ہے۔

اندھی تقلید سے روکنا

قرآن حکیم جہاں آزاد اندیشی پر زور دیتا ہے وہاں اندھی تقلید سے روکتا بھی ہے۔ اندھی تقلید دراصل آزادئ فکر کے لیے زنجیر پا کی حیثیت رکھتی ہے۔ آزاد اندیشی اور آزادی فکر کے لیے ایک سازگار فضا کی ضرورت ہے۔ شخصیت پرستی اور آباء پرستی انسان کو کوتاہ فکر بنا دیتی ہے۔ رائے اور عقیدے کی آزادی کے راستے میں یہ چیزیں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ قرآن حکیم میں کئی ایک آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء کے نظریے کی مخالفت کرنے والوں کے پاس اپنے حق میں اس کے سوا کوئی دلیل نہ ہوتی تھی کہ ”ہم نے اپنے آباء کو اسی راستے پر پایا ہے۔“ سورہ مائدہ میں ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ۔ (12)

یعنی: ”جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اُس کی طرف اور رسول کی طرف آجاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا ہے۔ کیا چاہے ان کے آباء کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ راہِ راست پر ہوں (یہ پھر بھی انہی کے راستے پر چلتے رہیں گے)؟“

اس سے ملتی جلتی آیات قرآن حکیم میں بہت سی ہیں۔ (13)

قرآن حکیم کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نبی کریم اس لیے بھی مبعوث ہوئے ہیں کہ لوگوں کو اندھی تقلید اور ایسے رسم و رواج اور خود ساختہ امور سے نجات دیں جو اُن کے لیے زنجیریں اور بوجھ بن چکے ہیں جیسا کہ سورہ اعراف میں ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (14)

یعنی: ” اور یہ نبی ان لوگوں پر سے ان کے بوجھ کو اتارتا ہے اور ان زنجیروں کو جو ان پر تھیں۔“

عقل و فطرت کو بنیاد بنانا

قرآن حکیم انسان کو عقل و خرد سے کام لینے اور غور و فکر پر ابھارتا ہے۔ اپنی دعوت کو عقل کی بنیاد پر پیش کرتا ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ (15)

یعنی: "اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا۔"

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حکیم آزاد غور و فکر کی بنیاد پر انسان کو اپنے پیغام کی طرف بلاتا ہے۔ جو دین عقل و خرد کو حرکت دیتا ہو، غور و فکر کرنے پر ابھارتا ہے اسے جبر و اکراہ کا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ عقل و فطرت جس راستے کی طرف بلائے وہی قرآن اور اسلام کا راستہ ہے۔ اس سے بڑھ کر آزادیٔ فکر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اس مقام پر یہ کہنا مناسب ہے کہ اگر اسلام کا کوئی حکم بظاہر عقل و فطرت کے منافی معلوم ہوتا ہو تو یا اسے عقل و فطرت کے منافی سمجھنے والے کو چاہیے کہ مزید غور و فکر کرے، ممکن ہے اسے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو یا پھر یہ استنباط اور فہم کا اشتباہ ہے۔ اسلام کا کوئی حکم عقل و فطرت کے منافی نہیں ہو سکتا۔ یہ موضوع نہایت گہرا ہے اس پر علما اور دانشور بہت کچھ لکھ چکے ہیں تاہم مزید غور و فکر کی گنجائش ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ البتہ اس اصول کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں۔ عقل و فطرت کو انسان کے لیے مابہ الامتیاز قرار دینے والا اور اس بنیاد پر انسان کو اشرف المخلوقات بنانے والا عقل و فطرت کے خلاف کوئی حکم کیسے دے سکتا ہے؟

علی الاطلاق "منکر" سے روکنا اور "معروف" کی تشویق و ترغیب کرنا بھی انسانی عقل و فطرت پر اعتماد کا غماز ہے۔ قرآن حکیم کی بہت سی آیات میں مطلق طور پر منکر سے روکنے اور معروف کی طرف دعوت دینے کے لیے کہا گیا ہے، بلکہ اسے امت اسلامیہ کی بنیادی ذمہ داریوں اور علامات و خصوصیات میں سے قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (16)

یعنی: "تم ایک بہترین امت ہو جو سب انسانوں کی طرف بھیجی گئی ہے تاکہ تم معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو۔"

چند اہم پہلو

عقیدہ و رائے کی آزادی کے بارے میں قرآن کا نظریہ بیان کرتے ہوئے چند سوالات اور اہم پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ورنہ یہ بحث مکمل نہیں ہو سکے گی۔

ایک سوال یہ ہے کہ قرآن حکیم اپنے نہ ماننے والوں، مخالفوں اور دشمنوں کو جہنم کی وعید دیتا ہے اور قرآن کے مطابق ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے شدید عقاب اور عذاب سے ڈراتا ہے، کیا یہ دھمکی نہیں؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ قرآن کا تصور جنت و جہنم سمجھے بغیر اور قرآن جس خدا کا تصور پیش کرتا ہے اسے جانے بغیر اس سوال کا جواب سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ ہم اس حوالے سے کچھ اشارہ کرتے ہیں۔

جب انسان اپنے ارادے اور اختیار کو استعمال کرنے میں آزاد ہے تو پھر اس آزادی کو انسان صحیح بھی استعمال کر سکتا ہے اور غلط بھی۔ جب انسان اس آزادی اور اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمات کو عقل و خرد کے ساتھ درست استعمال کرتا ہے تو اس دنیا میں بھی بھلائی پاتا ہے اور آخرت میں بھی۔ قومیں اس دنیا میں دانائی اور بصیرت کے راستے پر اجتماعی شعور کے ساتھ گامزن ہو جائیں تو یہی دنیا جنت بن جاتی ہے اور آخرت میں بھی جنت انسان کی مثبت فکر اور مثبت عمل کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس دوزخ انسان کے اپنے اختیار کردہ برے راستے کا انجام ہے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ انفرادی طور پر انسان کی

رُوح پاکیزہ ہو اور انسان بندوں کے لیے خیر کا جذبہ رکھتا ہو، خیر کو بطور راستہ اختیار کرلے، اپنے مولا و آقا کی رضا کو اپنا مقصود جانے اور ان امور میں ریا کاری نہ کر رہا ہو تو وہ جنت ہی میں رہ رہا ہوتا ہے۔ دوزخ بھی اسی طرح سے ہے۔

جنت و دوزخ نتیجے کا نام ہے۔ اس مسئلے پر گہرا غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تشویق و ترغیب کرنا اور ڈرانا اور خبردار کرنا اسی معنی میں ہے۔ یہ سب کچھ اس کی بندوں سے محبت ہی کا اظہار ہے۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو سمجھاتے ہیں کہ اس راستے پر چلوگے تو کامیاب رہوگے اور اس راستے پر چلوگے تو ناکام ہوگے۔ ماں باپ دھمکی نہیں دے رہے ہوتے۔ ماں باپ کا ترغیب و ترہیب کرنا اولاد کی خیر خواہی ہے اور ان سے محبت کا نتیجہ ہے۔ انبیاء کے مخالفین کا دھمکانا، ڈرانا اور تشدد کرنا بالکل جدا پہلو رکھتا ہے۔ اسے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔

انبیاء کو بھی بشیر و نذیر کہا گیا ہے۔ بعض لوگ ''نذیر'' کا ترجمہ '' ڈرانے والا'' کرتے ہیں، بہتر ہے کہ اس کا ترجمہ ''خبردار کرنے والا'' یا ''متنبہ کرنے والا'' کیا جائے۔ البتہ ''ڈرانے والا'' بھی اسی معنی میں ہے کہ نبی غلط راستے پر چلنے والوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈراتے ہیں۔ انبیاء کا نظارت کرنا، اللہ کی نمائندگی میں خیر خواہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

یہاں اس طرف بھی اشارہ کر دیا جائے کہ علماء کا اور اہل اللہ کا اللہ سے خوف کھانا اور خشیت الٰہی کی کیفیت میں رہنا عام معنی میں خوف و خشیت نہیں ہے۔ اللہ، اہل اللہ کا مطلوب و مراد ہے۔ وہ اُس کی رضا کے حصول میں سرگرم ہوتے ہیں۔ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھیں جس سے وہ ناراض ہو جائے۔ یہ ایک بہت دقیق بات ہے۔ اس کے لیے عرفانی موضوعات پر لکھی گئی کتب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

ایک اور مسئلے کی کچھ وضاحت بھی یہاں مفید رہے گی اور وہ یہ کہ قرآن حکیم ''غیب'' پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ غیب سے یہاں کلی طور پر مراد مادی آنکھ سے غائب کائنات ہے۔ گویا قرآن کہنا چاہتا ہے کہ جہان ماورائے مادہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ دین کی ابتدا دراصل اسی تصور کائنات سے ہوتی ہے۔ دین کے نزدیک انسان صرف مادی جسم سے عبارت نہیں اور نہ کائنات صرف مادی ہے۔ خود خدا جو اس کائنات کا خالق مالک ہے اسے ہماری یہ مادی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں لٰہذا غیب پر ایمان لانے کا تقاضا علیٰ وجہ البصیرت ہے۔ یہ اندھا ایمان اور اندھی تقلید نہیں۔ انسان اپنے نفس کی طرف دیکھے تو اس جہان کو آسانی سے پا سکتا ہے۔ قرآن اور اسلام کسی ایسے ایمان کا تقاضا نہیں کرتا جو بصیرت اور انسانی معرفت کی صلاحیت سے ماوراء ہو۔ ایمان کا یہ تقاضا آزاد انتخاب کے منافی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عین آزادی کا پیغام ہے۔ علامہ اقبال کا یہ شعر اسی حقیقت کے ایک پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے:

یہ ایک سجدہ جسے تم گراں سمجھتے ہو | ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (17)

حوالہ جات

1۔ ۲؍البقرہ؍۲۵۶

2۔الکافرون؍۶

3۔۷۶؍دھر؍۳

4۔۲۶؍الشعراء؍۱۱۶

5۔۲۶؍الشعراء؍۱۱۱

6۔۱۹؍مریم؍۴۶

7۔۱۱؍ہود؍۹۱

8۔۷؍اعراف؍۸۸

9۔۷؍اعراف؍۹۰

10۔ ۳؍آل عمران؍۶۴

11۔ مبارکپوری، صفی الرحمٰن :الرحیق المختوم (لاہور،المکتبۃالسّلفیہ، مئی ۲۰۰۲ء) ص ۲۶۳

12۔ ۵؍مائدہ؍۱۰۴

13۔مزید دیکھیے: ۲؍البقرہ؍۱۷۰

14۔ ۷؍اعراف؍۱۵۷

15۔ ۳۰؍الروم؍۳۰

16۔ ۳؍آل عمران؍۱۱۰

17۔احمد رضا (مرتب): کلید کلیات اقبال اردو (لاہور،ادارہ اہل قلم، دسمبر ۲۰۰۵) ص ۵۵۰